فکرِ اقبال کے تناظر میں تہذیبی تصادم اور امنِ عالم

جویریہ حسن*
ڈاکٹر محمد طاہر مصطفی**

BSTRACT

A thorough critical analysis of human history highlights that the clash of civilizations centered on themes of conflict, war, and struggle. Historical experts use the word encounter to interpret or explain these relations among civilizations. Trade played a vital role in flourishing these ties, however, conflict and encounter have also been a part of almost all the phases or eras of human history. Developing nations have always looked up to the western world as a role model of economic and military progression, but this philosophy has also resulted in the escalation of tensions among these nations. World peace faces daunting challenges and is one of the most talked-about human concerns in the present times. Islam is currently being challenged by the western world in terms of the right interpretation of religious teachings and the true message of the Holy Quran and Sunnah. Islam is still struggling to make its mark in the present world order, particularly after the 9/11 incident which painted Muslims as terrorists and fundamentalists. It is quite evident that the world is divided into factions or groups, where one group is the torchbearer of Islam and religious teachings, while the second group endorses western ideals or secularism. According to Samuel Huntington, it won't be wrong to say that the next ideological challenge that

* پی ایچ۔ڈی سکالر، یونیورسٹی آف مینجمینٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف مینجمینٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

the world faces after the ultimate demise of the Soviet Union is Islam and the prospective clash between the East and the West in the 21st century will be the most discussed topic.

The present-day relationship between the East and the West is based upon rivalry. This conflict is not a new area of research and is centuries old. The only solution to this problem is to promote global peace and harmony and facilitate dialogue among nations. This would help in creating a social system that can center on values, harmony, peace, and love. Also, Iqbal's philosophy can act as a guiding stone and can help in resolving this crisis. Iqbal's universal social reconstruction theory highlights how different civilizations can live together and can facilitate constructive dialogue to improve civilizational ties. This article aims to incorporate the teachings of Iqbal, especially the universal social reconstruction theory to propose solutions for inter-civilizational clashes. This article aims to use the teachings of Iqbal as a beacon of light to promote constructive dialogue and peaceful coexistence among the two dominant sides of the world, resultantly leading in much prosperous and peaceful world order.

Keywords: تہذیب، امتداد زمانہ، اسپنگلر، افکار، ناپید، تصادم، اقوام عالم، ثقافت

تہذیبوں کی تاریخ اُسی قدر قدیم ہے جس قدر خود انسان کی تخلیق ۔کرۂ ارضی پر پہلے اجتماع انسانی نے پہلی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ یوں دنیا کی تاریخ تہذیبوں کی تاریخ بنتی چلی گئی ۔امتدادِ زمانہ کے ساتھ مورخین نے تہذیبوں کی تعداد پر بھی مختلف انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔اسپنگلر نے تاریخ میں آٹھ بڑی تہذیبوں کی نشاندہی کی، ٹائن بی نے ۲۳ ،کوئیگلی نے ۱۶ مِک نیل نے ۹ ،بیگ بی نے ۹اور ملیکو نے ۱۲ بڑی تہذیبوں کا ذکر کیا جن میں سے سات ناپید ہو چکی ہیں جبکہ حالیہ ادوار میں سموئیل ہنٹگٹن نے ۸ بڑی تہذیبوں کا ذکر کیا۔جدید دور میں علمی دنیا میں یہ موضوع زیادہ شدومد سے اس وقت زیر بحث آیا جب ۱۹۹۳ء میں سموئیل ہنٹگٹن کا مقالہ "تہذیبوں کا تصادم" شائع ہوا۔اس

مضمون پر اس قدر بحث ہوئی کہ سرد جنگ کے بعد سب سے زیادہ زیرِ بحث رہنے والا موضوع قرار پایا۔اس مقالے کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اب جنگیں ملکی سرحدوں پر نہیں بلکہ تہذیبوں کے مابین وقوع پذیر ہوں گی۔

تہذیبی تصادم کا یہ تصور محض سموئیل ہنٹنگٹن نے پہلی مرتبہ پیش نہیں کیا بلکہ تاریخ کے ہر دور میں یہ تصور عملاََ کارفرما رہا۔تہذیبوں کے مابین کشمکش ہر دور میں جاری رہی۔ ہر قابل ذکر تہذیب کی خواہش رہی کہ وہ دوسری فروغ پذیر تہذیب پر غلبہ حاصل کرے اور اس کے لیے جُملہ تمام ذرائع اور سائل بروئے کار لائے گئے خواہ وہ فکری و نظریاتی و سائل ہو ں یا مادی و دفاعی ہتھیار کا استعمال ہو۔غلبہ کی یہ خواہش فطری ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾[1]

"اور یہود و نصاریٰ آپ سے (اس وقت تک) ہر گز خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کر لیں ،آپ فرمادیں کہ بے شک اللہ کی (عطا کردہ)ہدایت ہی(حقیقی)ہدایت ہے،(امت کی تعلیم کے لیے فرمایا:) اور اگر (بفرض محال) آپ نے اس علم کے بعد جو آپ کے پاس (اللہ کی طرف سے) آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کے لیے اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مدد گار۔"

گویا غلبہ ہر تہذیب کی خواہش ہے جو تصادم کا پیش خیمہ بنتا ہے اور تصادم امنِ عالم کو تباہ کرنے اور ہلاکت پر منتج ہوتا ہے۔لفظ تہذیب کسی قوم کے مجموعی طرز حیات سے عبارت ہے۔

"تہذیب" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ:صفائی، اصلاح، آراستگی،شائستگی،خوش اخلاقی اور اسی مفہوم میں استعمال ہونے والے کثیر التعداد الفاظ ہیں[2] ایک طویل عرصے تک یہ لفظ اسی محدود مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ۔اٹھارویں صدی کے فرانسیسی مصنفین نے "بربریت" کے تصور کے

---

1 ۔البقرۃ2: 120

2 ۔جالبی، جمیل،پاکستانی کلچر، قومی کلچر کی تشکیل کامسئلہ ,مشتاق بک ڈپو, کراچی1964، 21

خلاف "تہذیب یا شائستگی" کا لفظ وضع کیا۔انیسویں صدی میں "مہذب" کا تعین کرنے کے لیے معیارات اور پیمانے بیان کیے جانے لگے۔انگریزی میں تہذیب کے لیے civilizationکا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے معنی تربیت،اصلاح اور درستگی وغیرہ کے ہی ہیں۔

تہذیب کی جُملہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔

"تہذیب کسی قوم کے ایسے اجتماعی طرز فکر و عمل کا نام ہے جو واضح نظریاتی اساس پر قائم ہو،اور ایک نصب العین کی حامل ہو۔ اس نظریاتی اساس سے اس قوم کا نظام اقدار وجود میں آسکتا ہو جو خیر و شر کی واضح تمیز رکھتا ہو۔ان اقدار کا اس قوم کے اجتماعی ثقافتی مظاہر اور نظام زندگی میں عملی اظہار موجود ہو نیز وہ تہذیب عقبی جہت سے عاری نہ ہو[1]۔"

آج مغربی تہذیب کے اثرات پُوری دنیا پر انتہائی گہرے ہیں۔ ثقافتی سطح پر ردوقبول کا عمل مسلسل جاری ہے مگر اپنی تمام ترہمہ گیر قوت کے باوجود عالمی سطح پر آفاقی تہذیب کے دعوں کے باوجود مغرب ایک ہمہ گیر کلچر پیدا نہیں کر سکا۔اسلامی تہذیب کے دورِ عروج کی طرح مغرب ایک بین الاقوامی نظام تو پیدا کر سکا ہے مگر بین الاقوامی تہذیب نہیں بلکہ "ہیڈلے بل" (Hedley Bull)نے تو کہاہے کہ:

> "بین الاقوامی معاشرے کاوجود اسی وقت ہوتا ہے جب کسی بین الاقوامی نظام میں ریاستوں کے مفادات اور اقدار مشترک ہوں اور ایک دوسرے کو مشترکہ اصولوں میں بندھاہوا محسوس کریں مشترکہ اداروں کے عمل میں شراکت کریں اور مشترکہ ثقافت اور تہذیب کے حامل ہوں۔"[2]

اگر تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ مغربی تہذیب نے موجودہ دور ِعروج کے حصول کے لیے استبداد اور ثقافتی و تہذیبی آلات بروئے کار لائے ہیں جس کے واضح اشارات سموئیل ہنٹنگٹن اپنے مقالات میں دے چکا ہے۔مغربی تہذیب کے بیج مشرق میں اس وقت بوئے گئے جب مغرب نے کہیں تو بزورِطاقت اور کہیں حیلہ سازی و ثقافتی یلغار سے مشرق میں اپنی نو

---

[1] ۔طاہر حمید، تنولی، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر اقبال، بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور، 2013، 65

[2] -Bull, Hedley. The anarchical Society, New York: Colombia University Press,1977,13

آبادیات تشکیل دیں۔

موجودہ امن کی صورتحال پر طائرانہ نظر سے ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب امریکی سیادت میں ایک زبردست تہذیبی تکبر، خبطِ عظمت اور جنون آفاقیت میں مبتلا ہوش و خرد سے بیگانہ خود پرستی میں مبتلا تہذیب ہے کیونکہ اس کے سامنے ہنٹنگٹن کا بخشا ہوا فکری زاویہ رہنما اصول کی صورت میں موجود ہے۔ جس میں تہذیبی تکثیریت کا نظریہ مغربی سامراجیت و استعماریت کے روپ میں مغرب کے غلبہ کا ایک دوسرا روپ ہے۔ ہنٹنگٹن کے نقادوں کی فہرست بھی طویل ہے۔ بہر حال آفاقیت کا یہ مغربی استعماری نظریہ باقاعدہ طور پر بیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آیا ہے لیکن اس کی جڑیں مغربی تہذیبی مشن کی طویل تاریخ میں پیوست ہیں۔ عالمگیریت پر مبنی اس استعماری نظریے کا بالواسطہ اور بلاواسطہ سب سے شدید حملہ دنیائے اسلام پر حملہ ہوا ہے جس کی عملی تصاویر افغانستان، فلسطین اور حالیہ شام و عراق میں ہمارے سامنے ہیں۔ رپورٹ 9/11 مسلم دنیا کے خلاف جارحیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ میانمار میں روہنگیائی مسلمانوں کا ریاست کی جانب سے قتل عام تہذیبی برتری کے خمار کا ہی ایک شاخسانہ ہے۔

عالمی سیکیورٹی اور تنازعات کی صورتحال میں سالانہ جاری کیے جانے والے؛گلوبل پیس انڈیکس رپورٹ کے مطابق گزشتہ سالوں کی طرح بدامنی اور تنازعات کی شرح میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ طاقت ور ممالک پر عوام الناس کا اعتماد مسلسل زوال کا شکار ہے۔ جن میں امریکہ سرِفہرست ہے۔[1]

مادی ترقی کے اس ارفع ماحول میں مجموعی طور پر لوگ خوف و دہشت،ذہنی دباؤ اور غیر محفوظ ہونے کے کرب میں مبتلا ہیں۔

اقبال عالمی اخوت کے کلچر کو پروان چڑھانے کے ایک عالمی سماجی نظام (Universal Social reconstruction) کی تشکیل کے بارے میں بات کرتے ہیں جس کی اساسیات اسلام سے اٹھتی ہیں کیونکہ اسلام سے بڑھ کر کسی اور فکر یا نظام میں امن کی ضمانت نہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

"جمعیت اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الٰہی کی پابند نہ ہو، امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جوع الارض کے لیے جنگ کرنا حرام ہے۔ علیٰ ہذا

[1]- visionofhumanity.org/app/uploads/2019/06/GPI-2019-web003.pdf

لقیاس دین کی اشاعت کے لیے بھی تلوار اٹھانا حرام ہے[1]۔"

دوسرے موقع پر فرمایا:

"ہمیں چاہیے کہ بنی نوع انسان میں امن و امان قائم رکھیں اسلام ہمیں شر و فساد سے منع کرتا ہے۔ حتی الوسع ہمارا وہ نصب العین ہو جو پہلے مسلمانوں کا تھا[2]۔"

اسلام کے اس کردار کا ذکر کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

"اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ داری کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے[3]۔"

دورِ حاضر میں تہذیبوں کے مابین تصادم ہی عالمی منظر نامے کی تشکیل کررہا ہے۔ڈونلڈ ٹرمپ نے امریکی صدارت سنبھالتے ہی"امریکہ سب سے پہلے[4]کے جس ایجنڈے کا اعلان کیا وہ پہلا دعوی نہیں تھا بلکہ طے شدہ پالیسی کا ایک نئے انداز سے اظہار تھا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکہ کے عالمی کردار کا انحصار بزورِ طاقت امریکی اقتدار کو پوری دنیا پرمسلط کرنے پر تھا۔موجودہ دور کے حالات و واقعات میں امریکہ خود کو "عالمی مسیحا"قراردے کر نہ صرف فکری، نظریاتی بلکہ معاشی اور سیاسی سطح پر نظامِ عالم پر اپنی دسترس مضبوط رکھنے کے ساتھ ساتھ نظام دنیا کے خدوخال بھی تشکیل دینے کا خواہاں ہے۔

موجودہ بدامنی اور فکر اقبال کی تہذیبی معنویت

اکیسویں صدی میں بساطِ عالم پر انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ان حالات میں اقبال کی فکر آج بھی قرین حالات اور دورِنو کے مسائل کا کماحقہ احاطہ کرنے والی ہے۔اقبال نہ صرف اپنے دور کی تہذیبی، اقتصادی،معاشرتی اور سیاسی صورتِ حال کا گہرااحساس وادراک رکھتے تھے بلکہ انہیں

---

1 ۔ عطاءاللہ،اقبال نامہ ، دارالفکر، لاہور،2012،194

2 ۔ تنولی، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر اقبال،2013،227

3 ۔ محمد رفیق افضل، گفتار اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب،1998،2: 178

4 ۔Foregin Affairs, March, April, 2018

مستقبل کے بارے میں بھی ایک حکیمانہ بصیرت عطا ہوئی۔انہیں بلاتامل آنے والے ہر زمانے کا مفکر،شاعر اور عہد ساز شخصیت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

علامہ نے اپنے قیام یورپ کے دوران تہذیب مغرب کے بارے میں جس قدر اندازے لگائے وہ درست ثابت ہوئے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا [1]

علامہ انسانیت کے علمبردار ہیں۔آپ اخوت و محبت او روحدت و عظمت انسانی کی بنیاد پر امن کا پرچار کرنے والے مفکر و مربی ہیں لیکن آپ کا نظریہ انسانیت مغرب سے مختلف ہے مغربی نظریہ کا دارومدار مادہ اور قوت پر ہے جبکہ علامہ کے نظریہ کی اساس خالصتاً روحانی بنیادوں پر ہے۔آپ اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھتے ہوئے بین التہذیبی ہم آہنگی اور پر امن بقائے باہمی کے داعی ہیں۔بلاشبہ آپ اسلامی تہذیب کی حقانیت، اسلامی شناخت اور اسلامی فلسفہ پر بہت زور دیتے ہیں۔مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ یہ اقدار دوسروں کے عقائد و نظریات سے کیسے جڑی ہیں آپ نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ آلہ آباد میں فرمایا:

”ایسا طبقہ جس کے دوسرے طبقہ کے خلاف نفرت بھرے الفاظ سے جذبات بھڑکتے ہوں وہ پست قامت اور کم ظرف ہے۔مَیں دوسروں کی روایات،قوانین،مذہبی اور معاشرتی اداروں کا بہت احترام کرتا ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ قرآنی تعلیمات کے مطابق ضرورت پڑنے پر ان کی عبادت گاہوں کا دفاع کرنا بھی میرا فرض ہے۔“

اقبال کو یقین تھا کہ روحانی اساس سے عاری مادہ پرست جدید ترقی یافتہ اقوام اور ان کی تہذیب نہ صرف دیگر کمزور اقوام کے استحصال کی ذمہ دار بنتی ہیں بلکہ بالاختتام اپنے خنجر سے آپ خود کشی کی مصداق بھی ہیں۔اقبال نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل واضح کیا۔

”عہد حاضر علم و دانش اور سائنسی اختراعات میں اپنی بے مثال ترقی پر بجا طور پر فخر کرتا ہے۔لیکن تمام ترقی کے باوجود اس زمانہ میں امپریلزم کے جبر و استبداد نے ڈیموکریسی،

---

[1] ۔اقبال،کلیات اقبال،1994، 167

نیشنلزم، کمیونزم،فاشزم اور جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ان خامیوں کی آڑمیں دنیا کے کونے کونے میں قدر آزادی اور شرف انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہورہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک ورق بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔پسماندہ اقوام کے ممالک پر قابض ہو کر انہوں نے ان سے ان کا مذہب ،اخلاقی اقدار،تمدنی روایات اور ادب سب کچھ چھین لیا ہے۔سیکڑوں بلکہ ہزاروں انسان روز بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے ہیں۔ وہ حکومتیں جو بجائے خود اس آگ اور خون کے ڈارمے میں ملوث نہیں معاشی طور پر کمزور عوام کا خون چوس رہی ہیں۔کیا باہمی نفرت کے سبب انسان انسان کی تباہی و بربادی کے درپے ہے؟اور بالاآخر اس دنیا میں انسانی بودوباش کو ناممکن بنادیا جائے گا؟یاد رکھو اس دنیا میں انسان کی بقاء، انسانیت کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے سے ہی ممکن ہے۔صرف ایک ہی قسم کا اتحاد قابلِ اعتماد ہے اور اس اتحاد کی بناء ہے اخوت انسانی جو نسل ،قومیت،رنگ اور زبان سے بالاتر ہو۔جب تک نسل، رنگ اور قومیتوں کے امتیازات قطعی طور پر مٹانہیں دیے جاتے،اس دنیا میں انسانوں کو کبھی بھی خوشی ،مسرت اور اطمینان کی زندگی میسر نہ ہوگی[1]۔"

امن عالم اور بقائے باہمی کا یہ وہ مکمل تصور ہے جو علامہ کا خاصہ ہے جس سے ترقی یافتہ اقوام جو اپنا معیار زندگی مضبوط کرنے کی خاطر پسماندہ اقوام کا استحصال کرتی ہیں، ان کی حوصلہ شکنی اور پسماندہ اقوام کو مساوات کی بنیاد پر زندگی کی بنیادی قدروں سے مزین ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔

شاعری و فلسفہ ہی نہیں علامہ کی پوری فکر احترام آدمیت پر مرکوز ہے۔ عالمی نظام ہائے سیاست و اقتصادیات میں آپ اسلام کو بطور نظام زندگی بقائے انسانی کا واحد لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں کیونکہ :

"اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا ،جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے سنگ گراں ہے، نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔دراصل کائنات انسانی کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوع انسان سے محبت رکھتے ہیں ان

---

[1] ۔لطیف احمد شیروانی، speeches,writtings and statements of Iqbal، اقبال اکادمی،پاکستان، لاہور ،1997، 649-650

کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف عَلم جہاد بلند کریں۔"[1]

اقبال کا سال نو پر پیغام (یکم جنوری ۱۹۳۸ء) آپ کی تہذیبی فکر کا نچوڑ ہے۔ اسے اگر آج کے عالمی واقعات،اسلام اور مغرب کے باہم تنازعات اور بین الاقوامی تہذیبی تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ حالات کا مشاہدہ کر کے لفظ بہ لفظ صداقت پر مبنی گویا ہوں۔ آپ ایک ایسے عالمی نظام کی بات کرتے ہیں جس میں تہذیبی تصادم کی بجائے بین التہذیب بقاوہم آہنگی کا روشن و وسیع المشرب تصور اُبھرتا ہے۔اسی تصور کے پس منظر میں اقبال کے افکار اور اقبال کے افکار کے حوالے سے اسلام کی فکر کو سمجھاجاسکتا ہے۔ یوں اقبال کے معاشرتی و تہذیبی افکار کی اور اقبال کے حوالے سے اسلام کے تہذیبی افکار کی معنویت اُبھرتی ہے۔آپ فرماتے ہیں عہد جدید علم کی ترقی اور سائنس کے عدیم المثال ارتقاء پر فخر کرتا ہے۔بلا شبہ یہ افتخار جائز ہے۔ آج فاصلے اور وقت مٹائے جارہے ہیں اور انسان کو فطرت کے سربستہ راز بے نقاب کرنے اور اس کی قوتوں کو اپنے تصرف میں لانے کی غرض سے مجتمع کرنے میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں لیکن ان ترقیوں کے باوصف سامراجی ظلم بیرون درڈھارس بندھانے کے نام پر جمہوریت، قوم پرستی،اشتراکیت اور فاشیت،اور خدا جانے ان کے علاوہ اور کیا کیا کچھ کی نقابوں سے اپنا چہرہ چھپا کر باہر نکلتا ہے۔ان نقابوں کے پیچھے دنیا کے ہر گوشے میں،جذبہ آزادی،انسانی شرف اس انداز میں پاؤں تلے روندا جارہا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ کا تاریک ترین دور بھی پیش نہیں کرتا "۔[2]

آپ تمام کرۂ ارضی کو امن عالم کا گہوارہ اور تمام انسانوں کے لیے ایک کشادہ گھر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

من جملہ دیگر مسائل کے یہ امر بھی فکر اقبال کا ایک اہم موضوع ہے کہ دنیا کی مختلف تہذیبوں کی کشمکش اور تصادم کے ماحول میں بقائے باہمی کا امکان کیا ہے؟اور ایک ایسے انسانی معاشرے کا قیام کیونکر ممکن ہے جہاں ہر تہذیب وملت کو پر وقار طریقے سے رہنے کے مواقع میسر ہوں۔اس جہت پر تحقیق کے نتیجے میں ایسے نتائج تک

---

[1] ۔عطاء اللہ۔اقبال نامہ،2012، 387

[2] ۔اقبال احمد،صدیقی،علامہ قبال،تحریریں،تقریریں اور بیانات،اقبال اکادمی پاکستان لاہور،2015،338

پہنچنے کا امکان موجود ہے جن کی صرف کسی ایک خطے یا تہذیب کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کی تہذیبوں کے لیے اہمیت ہوگی۔ لہٰذا فکر اقبال اپنی تہذیبی معنویت میں دور نو کے تمام تقاضوں کو بحسن وخوبی پورا کرنے کی کماحقہ صلاحیت رکھتی ہے۔

اقبال کے عالمی سماجی نظام کا خاکہ

نظام عالم کی تشکیل نو کے ضمن میں علامہ اقبال نے کوئی باقاعدہ اور مرتب نقشہ اور منصوبہ تو نہیں چھوڑا۔ مگر بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ایران، افغانستان، وسطی ایشیاء، مشرقی یورپ اور بحیثیت مجموعی عالمی سطح پر تبدیلیاں رونما ہوئیں (اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے) حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بڑی حد تک ان میں اقبال کے خوابوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اقبال کی امنگوں کی روشنی میں دنیا کی موجودہ صورتحال میں عالمی نظام کی تشکیل نو کیونکر ممکن ہے؟ اقبال نے اپنی وفات سے پہلے بڑے دکھ سے کہا تھا:

> ”روئے زمین پر ہر جگہ انسان بدستور مصائب و آلام کا شکار ہیں، لاکھوں انسانوں کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے، اور طاقتور کمزوروں کا خان چوس رہے ہیں۔ زمین پر ہر طرف نحوست چھائی ہوئی ہے اور انسانی ہمدردی کی کوئی آواز کہیں سے سنائی نہیں دیتی۔“

آج جب کہ عالمی، اقتصادی اور سیاسی بحرانوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور عالمی امن روبہ زوال ہے، عالم انسانیت کو ایسے عالمی سماجی نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد احترام آدمیت پر ہو، جس میں مختلف قومیں اپنی تہذیبی شناختوں کو برقرار رکھتے ہوئے تصادم کی بجائے اشتراک عمل کی فضا پر تہذیبی روابط استوار کریں۔ یہ احترام اور وحدت انسانی وہ ہے جسے مغرب کی سامراجی نو آبادیت، آفاقیت و عالمگیریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ انسانی اتحاد و آفاقیت تہذیبی تصادم، انسانی وحدتوں کی تخریب و تباہی اور اسلامی و مغربی تہذیبی بحران پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صحیح معنوں میں انسانیت اور احترام آدمیت کی بنیاد پر ہر ایک مشترکہ بین الاقوامی برادری کی تشکیل کرتی ہے۔ آج نہ صرف اسلام اور مغرب کے درمیان مکالمے اور یگانگت و اشتراک کے لیے بلکہ تمام اقوام عالم کے لیے اسی انسانی نقطہ نظر کی ضرورت ہے نہ کہ مغرب کے مادی اور سرمایہ دارانہ نقطہ نظر کی۔

اقبال کا سال نو کا پیغام یکم جنوری ۱۹۳۸ء اس عالمی سماجی نظام کی تشکیل کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اسی مطمح نظر کے تحت اقبال مغربی اور اسلامی تہذیب کے خدوخال پر غیر جانب دارانہ انداز میں بات کرتے ہیں۔ ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ اہل مغرب اور اہل اسلام ایک دوسرے کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھ کر ایک دوسرے سے بات چیت کے ذریعے، ایک دوسرے سے مکالمے کے ذریعے استفادہ کریں تاکہ انسانی تہذیب کے یہ دونوں حصے انسانی

زندگی کی فلاح و بہبود کے لیے ایک ہی وحدت کے طور پر کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال تمام کرہ ارض کو امن و سلامتی کا گہوارہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ فساد چاہے مغرب میں ہو یا مشرق میں، مسلمانوں کی وجہ سے ہو یا غیر مسلموں کی وجہ سے، وہ اس کے سخت مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے جہاں مغرب کی استعماری اغراض، سائنس اور حکمت کے پنجہ خونیں پر زبردست تنقید کی ہے وہاں پسماندہ اقوام کی جہالت، کم علمی اور بے عملی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انہوں نے جہاں مغرب کو آدم شناسی اور حقوق انسانی کی پاسداری کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں پسماندہ اقوام کو بھی خودداری و بیداری کا درس دیا ہے۔ جہاں انہوں نے کمزور اقوام کو مغرب کی سائنسی ترقی سے استفادے کی تلقین کی ہے وہاں مغرب کے لیے بھی مشرق کی الہامی بنیادوں سے استفادے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ایک دوسرے سے استفادے اور افہام و تفہیم کا یہی لچکدار رویہ اتحاد انسانیت کی فضا پیدا کر سکتا ہے اور ایک ایسے مشترکہ اور منصفانہ عالمی نظام کی تخلیق کر سکتا ہے جس کی بنیاد اخوت و مساوات اور وحدت انسانی پر ہو اور جس میں اقوام اپنے مسائل کو مکالمہ کے ذریعے حل کر سکیں۔ اقبال کا یہی وہ عالمی سماجی نظام ہے جس میں کرہ ارض کے تمام انسان ایک وحدت میں ڈھل کر اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کر سکتے ہیں اور ایسا عالم نو وجود میں لاسکتے ہیں جہاں کسی بھی فساد کا حل مل جل کر نکالا جا سکے۔ بقول اقبال:

مشرق سے نہ ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر

فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر[1]

اقبال جس تہذیبی تکثیریت کے قائل ہیں اس میں مختلف تہذیبیں تصادم اور مناقشت کا شکار نہیں ہوتیں بلکہ ایک دوسرے سے استفادے کے ذریعے ایک ایسی آفاقی تہذیب کو جنم دیتی ہیں جس کی بنیاد اخوت اور انسانی وحدت پر ہے۔ اقبال کو معلوم ہے کہ تہذیبی تکثریت قوموں کی فطری اور نفسیاتی ضرورت بھی ہے اور کائناتی ارتقاء کا وسیلہ بھی۔ لیکن ایسی تہذیبی تکثریت ہی انسانی وحدت کو جنم دے سکتی ہے جس میں نفرت اور رقابت کی بجائے اشتراک عمل اور مکالمے کا پہلو پایا جائے۔ ہنٹنگٹن تہذیبی تکثریت کی جو صورت پیش کرتا ہے وہ بالآخر مغرب کی سامراجی آفاقیت میں ڈھل جاتی ہے اور اقبال کے نزدیک یہ سامراجی آفاقیت فتنہ و فساد، تنازع اور تصادم کو ہوا دیتی ہے۔

---

[1] ۔ اقبال، محمد۔، کلیات اقبال اردو، 1994، 621

اقبال نے اپنے خطبات میں مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا ہے[1]۔ اس طرح دراصل مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کی توسیع قرار دے کر وہ مغرب اور اسلام کے درمیان ایک پل یا رابطہ استوار کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں[2]۔

دوسرے لفظوں میں اقبال اسلام اور مغرب کے مابین ایک رشتہ مطابقت استوار کرنا چاہتے ہیں۔ایک ایسا اشتراک عمل جس میں دونوں تہذیبوں کی فطری امتیازی خصوصیات بھی بر قرار رہتی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے قریب بھی آجاتی ہیں۔اور اس طرح دونوں کے مابین ایک اصولی اور پر امن مکالمے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔اس دوطرفہ عمل کے ثبوت کے لیے محض پیام مشرق کا سرورق(للّٰہ المشرق والمغرب) اور دیباچہ ہی کافی ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال اسلام اور مغرب میں تنازعہ کے نہیں بلکہ پہلو بہ پہلو پر امن لین دین کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک اہل اسلام اور اہل مغرب دونوں کے مستقبل کا انحصار افہام اور تفہیم پر ہے کہ دونوں تہذیبیں ایک دوسرے کو کچھ سکھاتے ہوئے آگے بڑھیں۔یہی تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کا مقصود ہے۔

اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی،اور ان کی موجودہ جماعتی ہئیتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے[3]۔

اسلامی تعلیمات کی روح کسی خاص گروہ سے مختص نہیں ہے۔اسلام تو کائنات انسانیت کے اتحاد عمومی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کرلیتا ہے۔دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لیے مختص نہیں ہے بلکہ تمام انسان اس میں داخل ہوسکتے ہیں بشر طیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش کو ترک کردیں اور ایک دوسرے کی شخصیت کو تسلیم کرلیں[4]۔اس طرح اسلام تہذیبوں کی اکثریت

---

[1] ۔سید، نذیر نیازی، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور، 1994، 11

[2] ۔اقبال ،اقبال اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کی اہمیت، 110-109

[3] ۔معینی، عبدالواحد۔ مقالات اقبال، 1994، 266-265

[4] ۔عطاءاللہ، اقبال نامہ، 2012، 357

کو قبول کرتا ہے اور اکثریت کے باوجود انہیں انسانی بنیادوں پر اس طرح متحد کرتا ہے کہ ایک صحیح آفاقی انسانی عالمی نظام وجود میں آجاتا ہے، یہی اقبال کی "روحانی جمہوریت" ہے[1]۔

اقبال نے ایک پر مسرت اور مطمئن زندگی اور آزادی، برابری اور خوشحالی کے جو خوبصورت خواب دیکھے تھے وہ کسی ایسے نام نہاد ورلڈ آرڈر میں پورے نہیں ہو سکتے، جسے مرتب کرتے ہوئے اقوام عالم کی امنگوں کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ اور اس کی بنیاد کسی ایک قوم یا چند اقوام کے مخصوص مفادات پر ہو۔ اور جسے ایٹمی ہتھیاروں کے زور اور فوجی قوت اور اسلحے کی برتری کے بل بوتے پر نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے ایسا غیر منصفانہ عالمی نظام بری طرح ناکامی سے دوچار ہو گا۔ اقبال نے اپنے آخری زمانے میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ عالم انسانیت کو ان برائیوں نے نجات حاصل کرنے اور انسانیت کی معراج تک پہنچنے میں کتنی صدیاں لگیں گی۔ اس کا جواب ہمارے ذمہ ہے اور ان لوگوں کے ذمہ بھی جو دنیا کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ مختصر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اقبال کی اس تلقین پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آدمیت احترام آدمی باخبر شواز مقام آدمی

یہ شعر اس اعتبار سے اقبال کے مجوزہ نظام کا ماٹو ہے اور کوئی بھی نیا عالمی نظام تلاش و مرتب کرتے وقت اسے اقوام عالم ک لیے دلیل راہ بنایا جاسکتا ہے۔[2]

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا[3]

---

1 ۔ نیازی، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، 1994، 277-275

2 ہاشمی، اقبالیات، تفہیم و تجزیہ، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور، 2004، 90

3 اقبال، کلیات اقبال، 1994، 396